An Analytical Study of Syed Sulaiman Ashraf Bihari's Islamic and National thoughts

سید سلیمان اشرف بہاری رحمۃ اللہ کے اسلامی اور ملی افکار کا تجزیاتی مطالعہ

1. **Abdullah Qasim**	2. **Dr. Mazhar Husain bhadro**
Ph D scholar Khwaja Fareed University of Engineering & information Rahim Yar Khan	**Lecturer:** Khwaja Fareed University of Engineering & information Rahim Yar Khan
Email: hafizabdullahqasim313@gmail.com	**Email:** mazharhussainbhadroo@gmail.com

To cite this article:

1. **Abdullah Qasim** 2. Dr,Mazhar Hussain Bhadro . Jan – June (2024) Urdu
سید سلیمان اشرف بہاری رحمۃ اللہ کے اسلامی اور ملی افکار کا تجزیاتی مطالعہ
Al-Bahis Journal of Islamic Sciences Research, *1*(2),63-75 Retrieved from https://brjisr.com/index.php/brjisr/article/view/14

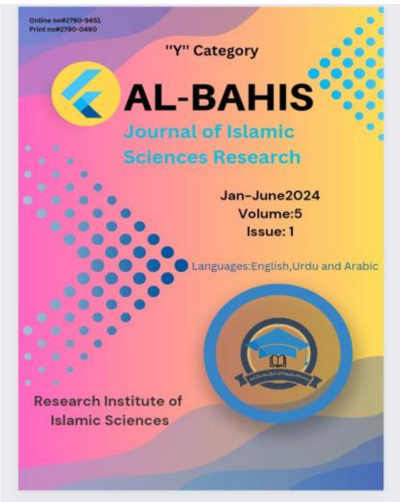

Attribution-NonCommercial-ShareAlike 4.0 International (CC BY-NC-SA 4.0)

OPEN ACCESS

An Analytical Study of Syed Sulaiman Ashraf Bihari's Islamic and National thoughts

سید سلیمان اشرف بہاری رحمۃ اللہ کے اسلامی اور ملی افکار کا تجزیاتی مطالعہ

Abstract

The personality of Professor Syed Muhammad Sulaiman Ashraf Bihari is an important chapter in our national history. His personality was as charming as it was versatile. He was simultaneously a distinguished intellectual, a wise religious and political leader and a great thinker. He has left an indelible mark of his great personality in every field of practical life.

In the first quarter of the nineteenth century, the role of Professor Syed Sulaiman Ashraf in the awakening of national and collective consciousness in the Islamic world and especially in Indian Muslims cannot be ignored. He tried his best to protect the Muslims of India from the hypocritical politics of Gandhi and his supporters in the Khilafat Movement, Turk Mowalat, Hijra, Hindu Muslim Unity and Turk Cow Slaughter Movement.

Syed Sulaiman Ashraf did not only fulfill the duty of leading the Muslims of India in that critical and difficult period, but also informed the dangerous consequences of mixing and uniting Muslims with the polytheists of India without fear and danger and made the scholars realize their religious and national responsibilities. do

He has also provided a bright and shining proof of his maturity, academic knowledge, and political insight.

Keywords : Situations and events, services, Islamic services, movements, and Islamic though.

پروفیسر سید محمد سلیمان اشرف بہاری کی ذات گرامی ہماری قومی وملتی تاریخ کا ایک انمٹ اہم باب ہے، اُن کی شخصیت جتنی دلکش تھی اتنی ہی ہمہ گیر بھی تھی، وہ بیک وقت مایہ ناز دانشور، دیدہ در مد بر مذہبی و سیاسی رہنماء اور ایک عظیم مفکر تھے۔ اُنہوں نے عملی زندگی کےہر میدان میں اپنی عظیم شخصیت کا نہ مٹنے والا نقش ثبت کیا ہے۔ انیسویں صدی کی ابتدائی چوتھائی میں عالم اسلام اور بالخصوص مسلمانان ہند میں قومی و ملتی شعور کی بیداری میں پروفیسر سید سلیمان اشرف کے کردار کو کسی طور نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، آپ نے تحریک خلافت ، ترک موالات ، ہجرت، ہندو مسلم اتحاد اور ترک گاؤ کشی کے،ہیجانی دور میں مسلمانان ہند کو گاندھی اور گاندھی نوازوں کی منافقانہ سیاست سے بچانے کی بھر پور کوشش کی۔

سید سلیمان اشرف نے اُس نازک اور پُرفتن دور میں اسلامیان ہند کی راہنمائی کا فریضہ ہی سر انجام نہیں دیا بلکہ بلاخوف لومۃ لائم مشرکین ہند کے ساتھ مسلمانوں کے اختلاط و اتحاد کے خطرناک نتائج سے بھی آگاہ کیا اور علماء کو اُن کی دینی وملتی ذمہ داریوں کا احساس دلا کر

اپنی بالغ نظری، علمی ثقاہت، اور سیاسی بصیرت کا ایک روشن اور تابناک ثبوت بھی فراہم دیا ہے۔

کے چشم و چراغ تھے آپ کے والد حضرت علامہ سید سلیمان اشرف بہاری ایک ممتاز ساد ات خاندان گرامی کانام حکم سید محمد عبید اللہ اصدقی تھا جو ایک درویش صفت بزرگ تھے، ریاضت و مجاہدہ اور زہد و قناعت کے پیکر تھے اپنی ساری عمر فقردرویشی میں گذاری۔

جائے پیدائش

مولانا سلیمان اشرف بہاری محلہ میر داد بہار شریف ضلع نالندہ میں سلائی کے قریب 1295ھ /1878ء میں پیدا ہوئے ۔[1]

تعلیم و تربیت

چوں کہ بچپن ہی میں آپ (سید سلیمان اشرف بہاری) کے سر سے والد کا سایہ اٹھ گیا تھا اس لئے آپ والدہ ماجدہ کے زیر تربیت رہے، آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کی پرورش وپرداخت کے ساتھ ساتھ بہت تربیت فرمائی اوراعلی تعلم کی رغبت دلاکر ایک مشفقہ ماں کا ثبوت پیش کیا۔[2]

تعلیمی سفر

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے مادری وطن بہار شریف میں مولوی رمضان علی سے حاصل کی اس کے بعد بہار اسکول میں داخلہ لیا

یہاں آپ دسویں جماعت میں تھے کہ اچانک دل اچاٹ ہو گیا اور عربی تعلیم کی طرف طبیعت مائل ہوگئی ،لہٰذا والدہ ماجدہ سےاجازت لے کر آپ نے حضرت مولا نا نور محمد اصدقی سے با ضابطہ عربی اور فارسی میں درس لینا شروع کیا ۔[3]

تصانیف:

1-المبین:

یہ کتاب مستشرق جرجی زیدان کی کتاب ''فلسفہ اللغۃ العربیہ ''کا مدلل جواب ہے جس میں اس نے ثابت کیا کہ عربی بھی دوسری زبانو کی طرح دیگر زبانوں سے خلط ملظ ہوکر بنی ہے ،المبین میں سید سلیمان اشرف نے اس کے تمام اعتراضات مدلل جواب دیااور مفید مثالیں بھی پیش کیں ۔

2-النور:

اس کتاب میں آپ نے خلافت کمیٹی والوں کے غیر اسلامی نظریات اور غیر شرعی حرکات کی نشان دہی کی ،اور ان کا شرعی نقطہ نظر سے محاسبہ کیا ۔

3-الرشاد:

النور کے بعد الرشاد لکھا ،جس میں جمعیۃالعلماء اور خلافت کمیٹی ودیگر مسلم لیڈر جو گاندھی جی کو اپنا رہبراور پیشوا سمجھے بیٹھے اور
شرعی بے راہ روی کا شکار تھے ان کے غیر شرعی حرکات پر تنقید کی ۔

4-الانہار:

یہ کتاب آپ نے فارسی شعر وادب کی تاریخ میں لکھی جو بہت مقبول ہوئی اس زمانے کےعربی، فارسی ،اردو کے محقق وادیب مولا نا حبیب الرحمن شیروانی نے کہا کہ یہ کتاب شبلی نعمانی کے شعر العجم سے بہتر ہے۔

5-الحج:

اس کتاب میں حج کے ارکان ومسائل پر بھر پور روشنی دالی گئی ہے ،حجاج کرام کے لئے یہ کتاب رہنماء کی حیثیت رکھتی ہے۔

مسلم یونیورسٹی میں آپ کاتقرر:

مولاناحبیب الرحمن شیروانی علی گڑھ سے مولانا ضمیر الدین بہاری سے ملنے پٹنہ تشریف لائے اتفاق سے اسی وقت مولانا سید سلیمان اشرف بہاری علیہ الرحمۃ بھی مولانا سید ضمیر الدین سے ملاقات کے

---

[1]۔محمد طفیل احمد مصباحی،علامہ سلیمان اشرف بہاری اہل علم کی نظر میں،مبارک پور اعظم گڑھ،2017ء،ص 3
Muhammad Tufail Ahmad Misbahi,Alama Sulaiman Ashraf Bihari Ahl e Ilm kin azar min.Mubarak pur Azam garh,2017,P 3

[2]۔محمد علی اعظم خان قادری، سید سلیمان اشرف حیات وکارنامے رضوی کتاب گھر،دہلی،2008، ص 26
Muhammad Ali Azam Khan Qadri,sayed Sulaiman Ashraf Hayat o karmany,Rizwi Kitab ghar,dehli,2008,P 26

[3]۔ایضا،ص 27
Ibid P 27

لئے وہاں موجود تھے اور وہیں آپ کی ملاقات مولانا حبیب الرحمن شیروانی سے ہوئی ،حضرت شیروانی نے سید سلیمان اشرف کے علم وفضل اور کمالات کو پہلی ملاقات ہی میں بھانپ لیا اور مولانا کو اپنے ساتھ علی گڑھ چلنے کو کہا۔[4]

آپ راضی ہوگئے اور علی گڑھ تشریف لے گئے وہاں پہنچتے ہی معلوم ہوا کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شعبہ دینیات کے لئے لیکچرار کی ضرورت پیش آئی آپ کو اطلاع ملی تو اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کیا جب آپ سے انٹرویو لیا گیا تو اس میں معجزہ پر مقالہ لکھنے کی فرمائش کی گئی تو آپ بعد ازنماز عشاء بیٹھے او ر صبح کی نماز تک ایک ہی مجلس میں 22صفحات پر مشتمل معجزہ پر مقالہ قلم بند کر دیا،جسے ہر صاحب فن نے بہت پسند کیا۔

پھر نماز جمعہ کے بعد توحید پر خطاب کرنے کو کہا گیا تو آپ نے اس موضوع پر ایسی پُر کشش تقریر کی کہ سامعین سن کر مست ہوگئے جن میں نواب وقار الملک مشتاق حسین اور حبیب الرحمن شیروانی بھی تھے،آپ کی علمی لیاقت کو دیکھ کر شعبہ دینیات میں پچاس روپے مشاہرہ پر آپ کا تقرر کر لیا گیا۔پچاس برس تک مسلم یونیورسٹی میں منصب درس وتدریس پر فائز رہے ۔

علماء کرام کی آراء:

پروفیسر ایم ایم احمدکراچی :

”مولانا سید سلیمان اشرف ہندوستان کے مشہور عالم دین ،علی گڑھ میں سب کے استاذ،دینیات کے ڈین تھے۔ڈاکٹر سر ضیاء الدین وغیرہ سب ان کے شاگرد تھے ،مولانا سیرت النبی کے بیان میں بے مثال تھے ،فلسفہ میں مولانا ہدایت اللہ خان رام پوری کے شاگرد تھے علم وعمل کے یکساں پابند اور بڑے کھرے انسان تھے“۔[5]

مولانا سید سلیمان ندوی :

”مولانا سید محمد سلیمان اشرف مرحوم خوش اندام ،خوش اندام ،خوش لباس ،خوش طبع،نظافت پسند ،سادہ مزاج اور بے تکلف تھے ۔ان کی سب سے بڑی خوبی ام کی خود داری اور اپنی عزت نفس کا احساس تھا ۔ان کی ساری عمر علی گڑھ میں گزری جہاں اُمراء اور ارباب جاہ کا تانتا لگا رہتا تھا مگر انہوں نے کبھی کسی کی خوشامد نہیں کی اور نہ ان میں سے کسے سے دب کر یا جھک کر ملے ،جس سے بھی ملے برابری سے ملے اور اپنے عالمانہ وقار کو پوری طرح ملحوظ رکھ کر ملے ۔علی گڑھ کے سیاسی انقلابات کی آندھیاں بھی ان کو اپنی جگہ سے ہلا نہ سکیں“ ۔[6]

عبدالماجد دریا آبادی:

”اہل بہار کا ایک مرکز علی گڑھ (مسلم یونیورسٹی) بھی ہے۔مولانا سید سلیمان اشرف مرحوم کی زبردست شخصیت ،بعض نادر خصوصیات کی مالک تھیں ۔1920ء میں جب عدم تعاون کا طوفان اٹھا تو مولانا ابوالکلام آزاد ،مولانا محمود حسن دیوبندی،اور مولانامحمد علی جوہر نے اپنی تمام تر قوت علی گڑھ کالج (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)رؤساء عالی وقار اور شہر کے وجوہ واعیان حاضر ہوتے تھے“ ۔[7]

پروفیسر ابواللیث صدیقی :

”درباروں کا حال ہم نے بہت سنا اور بہت پڑھا ہے ۔مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ایک دربار مولانا سید اشرف صاحب کا تھا ۔ایک عالم فاضل اور مومن کا دربار جن کو دیکھ کر اسلاف کی یاد تازہ ہوتی تھی ۔مجھے تو مولانا کے یہاں جانے کا کم ہی اتفاق ہوا،واقعہ یہ تھا کہمجھ پر مولانا کی شخصیت کا کچھ ایسا سحر ہوا تھا کہ میں حاضر ہونے سے خوف کھاتا تھا۔میں نے بہت سی یونیورسٹیاں دیکھیں بڑے بڑے علماءکو دیکھااور قریب سے دیکھا اور پرکھا ،لیکن سید سلیمان اشرف جیسا علم میں نے نہیں دیکھا“۔ [8]

---

[4] سلطان آزاد،دبستان عظیم آباد ، 1982ص302
Sultan Azad,Dabistan e Azim Ababd Dastan,P 302.

[5] ۔معارف رضا ،ادارہ تحقیقات امام احمد رضاکراچی،1992ء ص 95
Muarif Raza,Idara Tehqiqat e Imam Ahmad Raza,Karchi,1992,P 95

[6] ۔ماہنامہ معارف،اعظم گڑھ جون 1939ء،ص 403
Mahnama Muarif,Azam garh,June,1939,P 403

[7] ۔ماہنامہ ندیم گیا،بہار نمبر1940ء،ص33
Monthly Nadim gia,Boar Number 1940,P 33

[8] ۔رفت وبود،ڈاکٹر معین الدین عقیل،ادارہ یادگار غالب،کراچی،ص 115.
Raft o Bood,Dr Mueen ud Deen Aqeel, Idara Yad e Ghalib,Karachi,P 115

خواجہ حسن نظامی دہلوی:

"گورا رنگ ،مضبوط جسم ،گنجان ڈاڑھی،تیز چمک دار آنکھیں ،عمر پچاس کے قریب۔بہار میں مکان ،علی گڑھ میں پروفیسر ہیں ۔صوفیانہ مشرب رکھتے ہیں ۔کئی کتابوں کے مصنف ہیں ،تقریر ایسی تیز اور مسلسل کرتے ہیں جیسئ ای آئی آر کی ڈاک گاڑی ۔دوران تقریر صرف درود شریف پڑھنے کے لئے تھوڑی تھوڑی دیر کا وقفہ ہوتا ہے ۔ورنہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمالہ کی چوٹی سے گنگا کی دھار انکلی ہے جو ہردوار تک کہیں رُکنے اور ٹھہرنے کا نام نہیں لے گی ۔بیان کی ایسی روانی آج کل ہندوستان کے کسی عالم میں نہیں ہے ۔تقریر میں محض الفاظ ہی نہیں ہوتے بلکہ ہر فقرے میں دلیل اور علمیت کا انداز ہوتا ہے "۔[9]

خطابت و تقریر:

تقریر ایسی والہانہ اور پرکیف ہوتی تھی کہ مجمع تو مجمع ماحول اور فضا پر بیخودی چھا جاتی تھی ۔ جب مولانا کی شدت جذبات سے بھرائی ہوئی آواز درودیوار سے ٹکراتی تو ایس معلوم ہوتا کہ درو دیوار سے صلواۃ کی صدائیں آرہی ہیں۔

پروفیسر رشید احمد صدیقی آپ کے خطبات کی روئداد اس طرح بیان کرتے ہیں :

"آواز میں کڑک، لچک اور دھمک، نماز پڑھاتے تو معلوم ہوتا کہ خداکا کلام دوسروں کو پہونچانے میں اپنی اور اپنے مالک دونوں کی عظمت کا احساس ہے۔جمعہ کی ایک نما زیاد ہے ،جاڑے کے دن تھے یخ بھری ہوائیں، ایسا معلوم ہوتا تھا گویار گ وریشہ میں سویاں بن کر اترتی جاتی ہیں ناظم صاحب دینیات غالباً موجودنہ تھے ، مولانا مرحوم امامت کے لئے آگے بڑھے، تکبیر ختم نہیں ہوئی تھی کہ مولانانے کہا "اللہ اکبر" ایسا معلوم ہوا جیسے اس صدا ئے فضا کی ہر صدا کی لرزش چھین لی۔ اسکے بعد جو قرات شروع کی تو معلوم ہوتا تھا جسے خالد رضی اللہ تعال عنہ کی تلوار میدان جہاد میں کوندتی ، لرزتی ، گرتی لچکتی کاشتی سمٹتی ، تیرتی، ابھرتی آگے بڑھتی ہی جاری ہے کوئی لمبی سورت تھی، جب تک ختم نہ ہوئی یہ علم ہوتاتھا جیسے جسم وجان میں بجلیاں بھرگئی ہیں اور شوق خود سپری میں ہمیں نہیں در و دیوار بھی جھوم رہے ہیں۔ اس دن کی نماز بھی یاد ہے اور یہ بھی کہ وقت آگیا تو شوق شہادت دنیا کہ کےہر نشیب وفراز اور زندگی کے ہر تامل اور تذبذب کو خس وخاشاک کی طرح بہا لے جائے گا۔"[10]

دو قومی نظریہ :

بعض شخصیات کا مقدر ہوتا ہے کہ وہ قرطاس تاریخ میں مقید رہتی ہیں ، مگر زندہ رہتی ہیں جب جب قاری کو چہ تاریخ کا طواف کرتا ہے، اُسے ایسے گوہر بے بہاسے استفادہ نصیب ہوتا ہے۔ تاریخ بادشاہوں اور شجیع افراد کو نمایاں جگہ ضرور دیتی ہے، مگر ان نابغہ ہائے روزگار ہستیوں کو کبھی نظر انداز نہیں کر سکتی جنہوں نے اپنے خون جگر سے سپیدہ سحر کو تعبیر آشنا کیا ہو۔

تاریخ آج بھی اُن عشاق ہائے پاک طینت کے تذکرے سے روشن ہے اور یہی افراد تاریخی عمل کی جان ہوا کرتے ہیں ،

اگر مقصدی تحریکات کا ذکر کیا جائے تو تحریکات کے ماتھے کا جھومر یہی نظر انداز کردہ لوگ ہی ہوا کرتے ہیں جن کا تاریخ کا رخ موڑنے میں بنیادی کردار ہوتا ہے مگر ٹیم ورک میں اُنھیں ہمیشہ پردہ سیمیں کے پیچھے رہنے پر اکتفا کرنا پڑتاہے اور اُن کے کردار کے بغیر تاریخ کا پہیہ پورا نہیں گھوم پاتا۔ تاریخ برصغیر پاک و ہند میں بیسویں صدی عیسوی کی قومی وملی تحریکات میں ہمیں کئی ایسے لوگ ملتے ہیں جنہوں نے اپنا تاریخی کردار بڑی ایمانداری، مقصدی لگن اور جان فشانی سے ادا کیا اور ایک زمانے سے داد وصول کی ،چہ جائیکہ منزل ہمیشہ انہی کا مقدر ٹھہرتی ہے جو شریک سفر بھی نہیں ہوتے، مگر تاریخی عمل کی سب سے بڑی خوبی ہی یہی ہے کہ حق بہ حق دار رسید کے مصداق کہ جب تاریخی عمل کا پہیہ پورے طور گھومتا ہے تو اُن افراد کے ذکر سے چرخِ تاریخ جگمگا اُٹھتا ہے ،پروفیسر سید سلیمان اشرف کا نام اور کام بھی کچھ ایسا ہے ، جس شخص کو مجدد زمانہ کا اعلیٰ منصب نصیب ہونا چاہیے تھا اُسے اُس کے اپنوں نے تحت الثرٰی کی اتھاہ گہرائیوں میں پھینک دیا ، غیروں کا تو آخر ذکر ہی کیا۔

---

[9]۔ سلطان آزاد،دبستان عظیم آباد ،بہاراردو اکیڈمی،پٹنہ ، ص .328

Sultan Azad,Dabistan e Azeem Abad,Bihar Urdu accadmi,Patna,P328

[10]۔رشید احمد صدیقی گنجہائے گرانمایہ،اردو اکیڈمی،حیدرآباد دکن،ص37

Rasheed Ahmad Sidiqi,Ganjhay Giramaya,Urdu accadmi,Haidarabad dakan,P 37

بیسویں صدی عیسوی ہی کا ایک اور نازک ، حساس اور پیچیدہ مسئلہ ہند و مسلم اتحاد کاتھا جسے مذہبی اور سیاسی تناظر میں دیکھا جانا ضروری تھا اور بیسویں صدی میں مذہبی ، سیاسی تناظرات کی آویزش اپنے نقطۂ عروج پر رہی، پروفیسر سید سلیمان اشرف نے اس ہیجانی دور میں مسلمانان ہند کو گاندھی اور گاندھی نوازوں کی منافقانہ سیاست اور گاندھی کی مہاتمائیت کا طلسم توڑ کر مسلمانوں کو سیاسی خودکشی سے بچانے کی بھر پورسعی کی صرف یہی نہیں بلکہ اپنی تحاریر و تقاریر کے ذریعے ہندو مسلم اتحاد و اختلاط کے خطرناک نتائج سے بھی آگاہ کیا اور علماء کواُن کی دینی وملی ذمہ داریوں کا احساس دلا کر اپنی بالغ نظری علمی ثقاہت اور سیاسی بصیرت کابین ثبوت بھی دیا۔
برصغیر پاک و ہند کی مسلم سلطنت کے زوال میں انگریز کی مکاری، حکمرانوں کی نا اہلی اور دشمنوں مسلمان جو کل ہو گئے کی سازش نے کلیدی کردار ادا کیا جس کے نتیجے میں انگریز برصغیر پر قابض تک حاکم تھے محکوم ہو گئے،مسلمانوں کی سیاسی ، سماجی اور معاشی حالت ابتر ہوتی چلی گئی۔ اس ابتر حالت سے نکلنے کیلئے مسلمانوں کے مختلف دانشوروں نے مسلم معاشرے کی نشاۃ ثانیہ کیلئے فکری ، نظری، اور عملی لائحہ عمل تشکیل دیا، مسلم مفکرین کا ایک طبقہ اس بات کا حامی رہا کہ انگریز طاقتور ہیں اور مسلمانوں کی حالت ایسی نہیں کے اُن کے ساتھ مزاحمت کا رویہ اختیار کیا جائے اور اگر ایسا کیا بھی گیا تو اس کے نتائج مسلمانوں کیلئے بھیا نک ہونگے ، اُن کے نزدیک یہ اصول رہا کہ " جسے شکست نہیں دی جاسکتی اُس سے دوستی کر لی جائے" اس نظریے کے تحت انہوں نے انگریزوں سے دوستی اور تعاون کا ہاتھ بڑھایا تا کہ مسلمانوں کے سیاسی ، سماجی اور معاشی حقوق کا تحفظ کیاجاسکے، یہ طبقہ مسلم انگریز اتحاد کا داعی تھا۔
جبکہ مسلم مفکرین کے دوسرے طبقے کا یہ نظریہ تھا کہ انگریز غاصب ہیں، انہوں نے مسلمانوں کے سیاسی اور معاشی حقوق پامال کئے ہیں ، انہیں جدو جہد کے ذریعے باہر نکال کر نشاۃ ثانیہ کے خواب کی تعبیر تلاش کی جائے ،لیکن مسلم ایسا خود نہیں کر سکتے ہیں اس لیے ہندوؤں کو اس مقصد کے حصول کیلئے ساتھ ملایا جائے ، اور مشترکہ کوشش ہی سے مسلمانوں کے مفادات کا دفاع کیا جاسکتا ہے، چنانچہ ان دانشوروں نے ہندو مسلم اتحاد پر زور دیا۔
جبکہ مسلم مفکرین کا تیسرا طبقہ وہ تھا ، جس نے ہندو اور انگریز پالیسی کا بڑی گہرائی سے مطالعہ کیا تھا اور ان کے پاس ایسے زمینی حقائق اور شواہد موجود تھے،جس کی بناء پر انہوں نےاس نظرئے کو فروغ دیا کہ مسلم مفاد نہ تو مسلم انگریز اتحاد میں مضمر ہے اور نہ مسلم ہندواتحاد میں ،ان دونوں اتحاد سے مسلم مفاد کی امید رکھنا حقائق سے نظر چرانے کے مترادف ہے۔[11]

تحریک ترک موالات میں آپ کا کردار:

1921ء میں ترک موالات اور نان کو آپریشن کے ہنگامے اپنے شباب پر تھے پورے ملک کے افراد اس سیلاب کے زیر اثر تھے اس کی قیادت سیاسی جماعتوں کے آلہ کار افراد کر رہے تھے ،خلافت کمیٹی اور جمعیۃ علماء کے اشخاص بے راہ روی پر اتر چکے تھے ،غیر اسلامی نظریات اور
غیر شرعی حرکات کے محرک بنے ہوئے تھے ،عدم تعاون کے عظیم طوفان میں بڑے بڑوں کے قدم ڈگمگا گئے تھے ،لیکن ایسے عالم میں مولانا سید سلیمان اشرف علیہ الرحمۃ نے ان ہالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور تن تنہاء اس تحریک کی سرکوبی کے لئے میدان میں کود پڑے ،اور اپنی تقریر وتحریر کے ذریعے مسلسل جہاد کرتے رہے.
ماہ رجب المرجب 1339ھ بمطابق مارچ1921ء کو بریلی میں خلافت کمیٹی اور جمیعتہ العماء کی جانب سے ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں مولانا ابوالکلام آزاد کے علاوہ دوسرے لیڈر بھی شریک ہوئے، غیر شرعی حرکات کی بناء پر علمائے اہل سنت نے اس کا نفرنس کا بائیکاٹ کیا،ادھر اراکین کا نفرنس کا پلان تھا کہ اس میں علمائے اہل سنت کا رد کیا جائے گا۔ اور ان لوگوں نے کانفرنس کی جانب سے دو پوسٹر بعنوان "آفتاب صداقت" اور" مستعار کی چند ساعتیں " شائع کئے تھے۔ اشتہار میں علمائے اہل سنت کو منکریم اور مخالفین کے القاب دے کر چیلنج کیا گیا تھا۔
اور رمزو کنا یہ کے ساتھ مقابلہ کا اعلان بھی تھا ۔

[11]محمد احمد ترازی،محمد سلیمان اشرف اور دو قومی نظریہ ،دارالنعمان پبلشر،لاہور،ص35
Muhammad Ahmad Trazi,Muhammad Sulaiman Ashraf or do Qowmi Nazria,Dar un Noman Publisher,Lahore,P35

علمائے اہل سنت نے اس چیلنج کو قبول کیا اور جماعت رضائے مصطفے کی جانب سے صد الشریعہ مولانا امجد علی (مصنف بہار شریعت نے ستر سوالات پر مشتمل سوالنامہ مرتب کر کے قائدین جماعت کوبھجوایا کہ پڑھکر اجلاس میں جواب دیں۔

ایسے موقع پر امام اہل سنت فاضل بریلی علیہ الرحمۃ کی ایما پر مولاناسلیمان اشرف بہاری علیہ الرحمہ کو علی گڑھ سے بلایاگیا کہ یہاں آکر مولانا ابوالکلام آزاد سے اس مسئلہ پر گفتگو کریں اور ضرورت پڑے تو مناظرہ کریں۔

اُدھر کا نفرنس والوں کی طرف سے بھی آپ کو دعوتی رقعہ ملا تھا۔ لہٰذا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا حکم پاتے ہی سید سلیمان اشرف بہاری علیہ الرحمہ علی گڑھ سے بریلی شریف تشریف لائے اورآتے ہی مولوی عبدالودود ناظم استقبالیہ جمعیۃعلمائے ہند کے اس ریمارک کا جواب اس طرح دیا :

جلسہ جمیعت العلماء بریلی کا رقعہ دعوت نامہ فقیر کے پاس پہونچا۔ فقیر نے شرکت امر ما بہ النزاع کا ” تصفیہ چاہا تو انجناب اس بے بضاعت کو ناکس قرار دے کر گفتگوسے اعراض فرماتے ہیں۔ رقعہ دعوت نامہ فقیر کے پاس بلا واسطہ بھیجا جائے اور گفتگو کی جب نوبت آئے تو ہر کس و ناکس کہا جائے ۔ اس کے حقائق کو نزاع و مخاصمہ قرار دیا جائے کیا یہی شیوہ خدام ملت ہے ؟

آخر میں نہایت ادب سے گزارش ہر کہ برائے کرم قبل نماز جمعہ فقیر کو جلسہ میں بحیثیت سائل حاضر ہونے کی اجازت دی جائے “۔

بالآخر 14 رجب المرجب ، مغرب بعد حضرت مولانا سید سلیمان اشرف بہاری شان و شوکت کے ساتھ علماء اہلسنت کے قافلے کے ساتھ جمیعت العلماء کے پنڈال میں پہنچا،اسٹیج پر عمائدین جمیعتہ کے علاوہ ابو الکلام آزاد بھی موجود تھے۔ آپ نے یہاں پہلے تقریر کے لئے وقت مانگا، ابو الکلام آزاد نے 35منٹ کا وقت دیا۔ کیونکہ آپ کو جلسے میں شرکت کی دعوت بھی دی گئی تھی۔ آپ نے 35منٹ تک اپنے مخصوص والہانہ انداز میں ایسی دھواں دھار تقریر فرمائی کہ اراکین کا نفرنس کے حواس باختہ ہوگئے جلسہ پر ایک نشہ کی کیفیت طاری تھی ۔

مولانا سید سلیمان اشرد: بہاری علیہ الرحمہ نے اپنی تقریر میں جہاں ان کے اعترائنات کا مدلل جواب دیا د ہیں ان لوگوں کی بے راہ روی و غیر شرعی حرکات کی بھی نشاندہی فرمائی اور فرمایا کہ ہمیں مقامات مقدسہ اور خلافت کے مسائل سے اختلاف نہیں اختلاف ان غیر شرعی حرکات سے ہے جن کے مرتکب خلافت والے اور جمیعۃ والے ہو رہے ہیں۔[12]

صد الافاضل حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ بھی اس کانفرنس میں علمائے اہل سنت کےساتھ موجود تھے آپ نے مولاناسید سلمان اشرف بہاری علیہالرحمہ کی پرمغز در دل تقریرکا ذکر تفصیل سے ”سواد اعظم“ مرادآباد ،شمارہ شعبان المعظم 1339ھ میں لکھا ہے:

”مولانا سید سلیمان اشرف بہاری نے اس خوبی سے تقریر فرمائی کہ اپنے اعتراضات بھی پیش کردئیے اوران کی غلطیاں بھی دکھائیں مولانا کی تقریریں قربانی ترک کرنے، شعاراسلام کو چھوڑنے اور شعائر کفر میں مبتلا ہونے کا تذکرہ تھا۔ حضرت مولانا نے یہ بھی بیان کیا کہ موالات تمام کفار سے ناجائز ممنوع ہے، عام ازیں کہ نصاری ہوں یا یہود،ایت لا ینھٰکم اللہ سے موالات ہنود ثابت کرنا غلطی ہے۔

اس سلسلہ میں انہوں نے مولوی عبد الباری صاحب (فرنگی محلی) کے خط کا تذکرہ بھی کیا جس میں انہوں نے لکھا کہ فقیرنان کو آپریشن کے مسئلہ میں بالکل پس رو گاندھی کا ہے۔ ان کو اپنا راہنما بنالیا جو وہ کہتے ہیں وہی مانتا ہو ناور بتایاکہ کافر کو دینی مسئلہ میں راہنما بناناشان اسلام سے کس قدر بعید ہے، یہ ایمان ہے یاکفر ؟ ۔[13]

اسی طرح مولاناسید سلیمان اشرف صاحب اراکین خلافت کمیٹی کی بے راہیاں اور سخت فاحش شرعی غلطیاں ذکر کیں اور فرمایا کہ سلمان گاندھی یا کسی اور کے پس رو متبع نہیں ہو سکتے، مذہب کسی سلطنت پر فدا نہیں کیا جا سکتا، ہم اپنے مذہب میں ہندؤں سے اتحاد نہیں کر سکتے، ہمیں مقامات مقدسہ ، خلافت اسلامیہ کے مسائل سے اختلاف نہیں اختلاف ان حرکات سے ہے جو منافی دین ہیں۔

مولانا سید سلیمان اشرف بہاری کی جمعیۃ کے جلسے کی تقریر کے متعلق ابوالکلام آزاد کا مقلد و معتقد ذکر آزاد“ میں یوں بیان کیا ہے :”مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی نے بھی اپنی تصنیف

---

[12]محمد طفیل یڈیٹرمجلہ نقوش لاہور،شمارہ1947ء۔ ص 10
Muhammad Tufail,Nuqoosh,Lahore,1947, p 10

[13]۔ سواد اعظم مرادآباد ،شمارہ شعبان المعظم 1339ھ, ص 5
Sawad e Azam Murad Abad,Shaban,1339, p 5

”رضا خانی جماعت کے ترجمان اور خطیب مولانا سید سلیمان اشرف تھے،اور اس میں شک نہیں بڑے فصیح و بلیغ مقرر تھے ، موصوف کی تقریر نےجو بہت لمبی تھی کا نفرنس کو ہلا ڈالا اور ایسا معلوم ہونے لگاکہ اب اور کچھ کہنا مکن نہیں ہے۔[14]

مولانا کی پوری تقریر کی روداد مناظرہ بریلی میں جماعت رضائے مصطفے نے شائع کی ہےاس تقریر کے کچھ اقتباسات یہ ہیں :

مسئلہ خلافت و تحفظ و صیانتِ اماکنِ مقدسہ اور ترکِ موالات یہ وہ مسائل ہیں جن میں صرف فقیر کی تمام علماءکرام نہیں بلکہ تمام اعامۃالسلمین ہمیشہ متفق اللسان ہیں،

ترکوں کی خلافت بمعنی قوتِ دفاعی ایک امرمسلم ہے،

خدمت حرمین شریفین ہر سلمان پر فرض کفایہ ہے ،نیز محافظت حرمین شریفین بھی ہر مسلمان پر فرض کفایہ ہے،

سلطنت ترکی ہماری دینی بھائی اس پر اسلامی سلطنت، اس پر اسلامی قوت دفاعی ،پھر حرمین شریفین کی خدمت و محافظت، پس ان کی اعانت اور نصرت نہ صرف مسلمانان ہند بلکہ تمام مسلمانان عالم پر بقدر استطاعت فرض ہے۔

یہ وہ مسائل شرعیہ ہیں جنھیں نہ میں صرف اس وقت بیان کر رہا ہوں بلکہ آج سے دس برس پیشتر فقیر نے لکھا، چھاپا ملک میں شائع کیا۔

میر اودیگر علمائے اہل سنت و جماعت کا آپ سے اختلاف اس میں ہےکہ آپ ہندوؤں سے موالت برتتے ہیں اور مسلمانو کو حرام و کفریات کا مرتکب بناتے ہیں۔

تفصیل اس کی یہ ہےکہ موالات ہر نصرانی ویہودی سے ہرحال میں حرام ہے اورقطعی حرام ۔

یا ایها الذین امنو الا تتخذوا الیهود والنصاری ٘ اولیاء۔(الایۃ)[15] ۔ نصرانی اور یہودی خواہ فریق محارب ہوں یا غیر محارب مطلقاً موالات ان سے حرام اور مطلقا حرام ، ہر کافر سے موالات حرام خواہ محارب ہو یا غیر محارب۔

لاتتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دون المومنین،الآیۃ[16]

آپ حضرات انگریزوں سے موالات حرام بتاتے اور کافروں (ہندؤں) سے موالات نہ صرف جائز بلکہ عین حکم الہی کی تعمیل بتاتے ہیں۔ آپنے قشقہ لگایا گاندھی جی کی جئے، ایک دوبار نہیں بلکہ بیسوں جگہ بیسیوں بار بیکاری کہ مہاتما گاندھی کی جئے ،

جس طرح صلیب علامت تثلیث ہے کیا قشقہ علامت شرک نہیں ؟

کیا آپ کی غیرت تقاضہ کرتی ہے کہ شرک کی علامت قشقہ اپنی پیشانیوں پر لگائے ؟

آپ ہمارے سامنے سمرنا وغیرہ کے مظالم بیان کر کے ہمارے جذبات ابھارتےہیں، مگر کیا ہندؤں نے آرہ شاہ آباد کٹار پور وغیرہ میں قربانی بند کرنے کے لئےایسے ہی مظالم نہیں کئے ؟

قرآن مجید نہیں پھاڑے ؟

عورتوں کی بے حرمتی نہیں کی؟

مسلمانوں کی جانیں نہیں ہیں ؟

مسجدوں میں بے ادبیاں نہیں کیں ؟

آج آپ سبزگنبدکی بے ادبی ہونے سے غیرت دلاتے ہیں، مگر کیا آپ پ کے لئے یہ غیرت کی بات نہیں تھی؟

جبکہ یہ کہہ کر دربار نبوت و رسالت کی اہانت کی گئی کہ:

”اگر نبوت ختم نہ ہو گئی ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے“

آپ نے اس پر کیوں نہ انکار کیا ؟

کیوں خاموش رہے ؟

[14]۔عبدالرزاق ملیح آبادی،ذکر آزاد،مکتبہ جمال،اردو بازار لاہور،ص 124
Abdul Razaq Malih Abadi,Zikr e Azad,Maktaba Jamal,Urdu Bazar,Lahore,P124

[15]۔ القرآن 5 : 51
Al-Quran 5 : 51

[16]۔ القرآن3 : 28
Al-Quran 3 : 28

غرض مقامات مقدسہ و خلافت اسلامیہ کے مسائل میں ہمیں اختلاف نہیں، ہندستان کے مفاد کی کوششیں کیجئے ، اس سے ہمیں اختلاف نہیں اختلاف ان حر کات سے ہے جو آپ لوگ منافی و مخالف دین کر رہے ہیں ان حرکات کو دور کر دیجئے، ان سے باز آیئے ، ان کی روک تھام کیجئے ، عوام کوان سے باز رکھئے تو خلافت اسلامیہ وممالک مقدسہ کی حفاظت ہندوستان کے ملکی مفاد کی کوششیں ہم بھی آپ کے ساتھ مل کر کرنے کو تیار ہیں ۔[17]

مسئلہ تعلیم:

بیسویں صدی کے آغاز میں جب مختلف حقوق کے نام پر آزادی اور تحریک خلافت وغیرہ کے نام سے تحریکیں چلنے لگیں تو مسلمانوں کی اجتماعی اور دینی زندگی سے متعلق کئی طرح کے نسائل پیدا ہوئے اس وقت بعض مولوی بھی وقت کے دائرے میں بہہ گئے اور انہوں نے محض سیاسی مصلحتوں کے تابع ہوکر مختلف توجیہیں کیں ،ان مسائل 1920ء میں مسئلہ ترک موالات سر فہرست تھا ،فتوے جاری ہوئے کہ مسلمان اپنے بچوں کو اسلامیہ کالجوں میں پڑھانا چھوڑ دیں ،

اس موقع پر سید سلیمان اشرف نے ’’الرشاد ‘‘نامی کتاب لکھ کر مسلمانان ہند کی صحیح سمت راہنمائی کی ،تحریک ترک موالات کے ضمن میں جمعیۃ علماء ہند کے راہنما ء اور دوسرے لیڈرز اسلامیہ کالج علی گڑھ اور اسلامیہ کالج لاہور کو بند کرانا چاہتے تھے ،

اس بارے مشتاق حسین فاروقی لکھتے ہیں :

’’ہندو لیڈران کو یہ بات نہ بھاتی تھی کہ اکادُکا مسلمان بھی کسی سرکاری عہدہ پر نظر آئے ،مگر کچھ بس نہیں چلتا تھا کہ جس یونیورسٹی کی بدولت مسلمان تعلیم پا کر کچھ اسامیاں پُر کرلیتے تھے اس کو بند کروا سکیں ،تحریک ہٰذا میں ان کو یہ موقع مل گیا اور انہوں نے انگریزی تعلیم کے بایکاٹ پر زور دیا ،اسکولوں اور کالجوں کے طالب علموں کو تعلیم سے روکنے کی تجویز منظور کر لی ،لیکن اس میں کیا راز مضمر تھا؟

صرف یہی کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کو توڑ دیا جائے تاکہ ہندوستان میں کوئی واحد مسلم درسگاہ باقی نہ رہے ،چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور باوجودیکہ تعلیمی بائیکاٹ کا حکم عام تھا ہندو یونیورسٹی پر آنچ نہ آنے دی‘‘۔[18]

تحریک گاؤکشی:

ان مسلمان لیڈران نے صرف اسی پر بس نہیں کی بلکہ جامع مسجد دہلی کے منبر پر شردھانند سے تقریریں کروائی گئیں ،ایک ڈولی میں قرآن کریم اور گیتا کو رکھ کر جلوس نکالے گئے ،مسلمانوں نے قشقے لگائے، گاندھی جی کی تصویروں اور بتوں کو گھروں میں آویزاں کیا گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کرشن کا خطاب دیا گیا، وید کو الہامی کتاب تسلیم کیا گیا۔

ان مسلمان علماء اور لیڈروں کوذہنی طورپر اپنی مکمل گرفت میں دیکھ کر گاندھی اور دیگر ہندوزعماء نے سوچا کہ اب مسلمانوں سے اُن کا امتیازی مذہبی شعار گائی کی قربانی- یا- ہندو کے الفاظ میں ’’گاؤ کشی ‘‘ ترک کروانا کوئی مشکل نہیں رہا تو اُنہوں نے زور دے کرکہنا شروع کر دیا کہ مسلمانوں اور ہندؤوں میں وجہ تفرقہ صرف اور صرف گائے کی قربانی ہے، اور اگر مسلمان اس فعل قبیح کو بند کر دیں تو مسلمان اور ہندو ہمیشہ کے لیئے ایک ہو سکتے ہیں۔

کانگرسی ذہن کے علماء مثلاً ابو الکلام آزاد اور مفتی کفایت اللہ دہلوی وغیرہ، جو شروع ہی سے اس بارے میں ہندوؤں کے ہم نوا تھے، نے دام ہم رنگِ زمین بچھا کر اس تحریک میں شامل دوسرے رہنماؤں کو بھی ہم خیال بنا لیا، اور ان نام نہاد مسلمان رہنماؤں کا سب سے بڑا فریضہ اور وظیفہ مسلمان قوم سے گائے کی قربانی کو ختم کرنا ہی قرار پایا،اس مقصد کے لیئے بڑے بڑے پوسٹر شائع کئے گئے اور اونٹوں کا جلوس نکال کو ان پوسٹروں کی تشہیر کی گئی ۔ [19]

---

[17]سید انتظام علی نادریوار اکین جماعت مصطفیٰ،روداد مناظرہ،پریس بریلی ،ص 85

Sayed Inteza Ali nadri, ,Rodad e Munazra,press Bareli,P 85

[18]مشتاق حسین فاروقی،مسلمان اور کانگریس اتحاد مسلم ومشرک پر شریعت اسلام کا حکم مبین،مطبوعہ مراد آباد،ص 3

Mushtaq Hussain Farooqi,Musilman or Congris Ittehad Shariat Isla ka Hukm,Murad Abad,P3

[19]۔عبد الوحید خان ،مسلمانوں کا ایثار اور جنگ آزادی،لکھنو،1938،ص142

Abdul Waheed Khan,Musilmano ka Isar or jang e azadi,Lakhnwo,1938,P 142

یا درہےکہ یہ پہلا موقع نہیں تھا کہ ہندوؤں نے گائے کی قربانی بند کرانے کی کوشش کی، بلکہ وہ تو سلطنت مغلیہ کے ختم ہونے کے بعد ہی سے اس تگ و دو میں مصروف تھے لیکن بھلا ہو علمائے حق مثلا مولانا محمد فاروق چڑیا کوٹی ، مولانا عبد الحی فرنگی محلی اور مجد دعصر حضرت مولانا احمد رضا خان رحمہ اللہ علیہم کا کہ انہوں نے ہندؤوں کے ان مذ موم ارادوں کو کامیاب نہ ہونے دیا۔

اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے" النور"کے شروع میں مولانا سید سلیمان اشرف صاحب فرماتے ہیں :-

یوں تو مسلمانوں کا ہر رکن مذہبی اہل ہنود کو چراغ پا کر دینے کا کافی بہانہ تھا لیکن بقر عید کے موقع پر گائے کی قربانی سے جو تلاطم اور ہیجان ان میں پیدا ہوتا اُس کا اندازہ کرنا بھی دشوار ہے لیکن غیرت مند مسلمان اپنے اس دینی وقار اور مذہبی استحقاق کے قائم رکھنے میں ہمیشہ استقلال وہمت سے اُن کی ستم گاریوں کی مدافعت کرتے رہے ، محض سفاکی و بے رحمی کو چند سال کے تجربہ نے جب کہ ناکافی ثابت کیاتو اہل ہنود تدابیر و حِیل کی آمیزش اپنی جفا کاری میں ضروری سمجھ کر تدلیس وتلبیس سے بھی کام لینے لگے چنانچہ 1298 ہجری میں اہل ہنود نے ایک عبارت استفتا ءمرتب کر کے بنام زید و عمر مختلف شہروں سے متعد د علمائےکرام کی خدمت میں روانہ کی ، استفا میں اس امرپرز در دیاگیا تھاکہ موقع بقرعیدپر گائے کی قربانی جب کہ موجب فتنہ و فساد ہے اور امن عامہ میں اس کی وجہ سے خلل آتا ہے اگر مسلمان گائے کی قربانی موقوف کر دیں تو کیا مضائقہ ہے۔

حضرات علماء نے نہایت مدلل طریقہ پر اس کا یہی جواب تحریر فرمایا کہ شریعت نے جو اختیار عطا فرمایا ہے اُس سے فائدہ اُٹھانے کا ہمیں حق حاصل ہےخوب فتنہ ہو تو حکومت کی قوت کو متوجہ کرنا چاہیے،بہ پاسِ خاطر ہنو دیا خوفِ ہنوں اپنے دینی حق سے باز رہنا ہرگز روا نہیں دو تین برس بعد پھر اسی قسم کا استفتا ءجاری ہوا اور پھر دربار شریعت سے یہی فتوٰی صادر ہوا ۔

وہ استفتاء اور فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتوٰی کے ضروری اقتباسات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں ۔

استفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مذہب حنفیہ اس مسئلہ میں کہ گاؤ کشی کوئی ایسا امر ہے جس کے نہ کرنے سے کوئی شخص دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے ۔؟

یا اگر کوئی شخص معتقدِ اباحتِ ذبح ہو مگر کوئی گائے اُس نے ذبح نہ کی ہو یا گائے کا گوشت نہ کھایا ہو، ہر چند کہ اَکل اُس کا جائز جانتا ہے تو اُس کے اسلام میں کوئی فرق نہ آئے گا اور وہ کامل مسلمان رہے گا۔؟

گا ؤکشی کوئی واجب فعل ہے؟ کہ جس کا تارک گنہگار ہوتا ہے یا اگر کوئی شخص گاؤ کشی نہ کر ے صرف اباحت ذبح کا دل سے معتقد ہو تو وہ گنہگار نہ ہو گا جہاں بلا وجہ اس فعل کے ارتکاب سے ثورانِ فتنہ و فساد اور مقتضی بہ ضررِاہل اسلام ہو اور کوئی فائدہ اس فعل پر مرتب نہ ہو اور عملداری اہل اسلام بھی نہ ہو تو وہاں بدیں وجہ اس فعل سے کوئی باز رہے تو جائز ہے۔؟

یا یہ کہ بلا سبب ایسی حالت میں بقصد اثارتِ فتنہ وفساد ارتکاب اس کا واجب ہے اور قربانی اونٹ کی بہتر ہے یا گائے کی۔؟

بینوا توجروا ۔از مراد آباد شوال 1298ھ[20]

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مومنان فراست و بصیرت سے جواباجوکچھ ارشاد فرمایا، اُس کے ضروری اقتباسات ملاحظہ ہوں ۔

گاوکشی اگر چہ بالتخصیص اپنے نفس ذات کے لحاظ سے واجب نہیں نہ اس کا تارک با وجود اعتقادِ ا باحت بنظرِ نفسِ ذات ِفعل گنہگار ،نہ ہماری شریعت میں کسی خاص شے کا کھانا بالتعیین فرض مگر ان وجوہ سے صرف اس قدر ثابت ہوا کہ گاؤ کشی جاری رکھنا واجب لعینہ اور اُس کا ترک حرام لعینہ نہیں یعنی ان کے نفسِ ذات میں کوئی امران کے واجب یا حرام کرنے کا مقتضی نہیں ۔لیکن ہمارے احکام مذہبی صرف اسی قسم کے واجبات و محرمات میں منحصر نہیں بلکہ جیسا ان واجبات کا کرنا اور ان محرمات سے بچنا ضروری وحتمی ہے۔ یوں ہی واجبات ومحرمات لغیر ہا میں بھی امتثال و اجتناب اشد ضروری ہے جس سے ہم مسلمانوں کو کسی طرح مفر نہیں اوراُن سے بالجبر باز رکھنے میں بے شک ہماری مذہبی توہین ہے جسے حکامِ وقت بھی روا نہیں رکھ سکتے ۔

[20]۔عبدالحکیم چاہجہاں پوری،رسائل رضویہ،مطبوعہ لاہور،1976،ج 2،ص 215
Abdul Hakeem Chahjahanpuri,rasil e Rizawia,Lahore,1976,Vol,2,P 215

ہم ہر مذہب و ملت کے عُقلا سے دریافت کرتے ہیں کہ اگر کسی شہر میں بہ زور مخالفین گا وکشی قطعاً بند کر دی جائے اور بلحاظ ناراضی ہنود اس فعل کو کہ ہماری شرع ہر گز اس سے باز رہنے کا ہمیں حکم نہیں دیتی ،یک قلم موقوف کیا جائے تو کیا اس میں ذلت اسلام متصور نہ ہو گی؟ کیا اس میں خواری و مغلوبی مسلمین نہ سمجھی جائے گی؟ کیا اس وجہ سے ہنود کو ہم پر گردنیں دراز کرنے اور اپنی چیرہ دستی پر اعلیٰ درجہ کی خوشی ظاہر کر کے ہمارے مذہب و اہل مذہب کے ساتھ شماتت کا موقع ہاتھ نہ آئے گا؟

کیا بلا وجہ وجیہہ اپنے لئے ایسی دنائت و ذلت اختیار کرنا ہماری شرع مطہرہ جائز فرماتی ہے ؟
حاشاوکلا۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں نہ یہ متوقع کہ حکام ِوقت صرف ایک جانب کی پاسداری کریں اور دوسری طرف توہین و تذلیل روا رکھیں۔

سائل لفظ ترک لکھتا ہے۔ یہ صرف مغالطہ اور دھوکا ہے اُس نے ترک اور کف میں فرق نہ کیا کسی فعل کا نہ کرنا اور بات ہے،

اور اُس سے بالقصد باز رہنا اور بات ۔ہم پوچھتے ہیں کہ اس رسم سے جس میں صدہا منافع ہیں، ایک قلم امتناع آخر کسی وجہ پر مبنی ہوگا ، اور وجہ سوا اس کے کچھ نہیں کہ ہنود کی ہٹ پوری کرنا اورمسلمانوں کے اسباب معیشت میں کمی یاتنگی کر دینا۔

باقی رہا سائل کا یہ کہنا کہ اس فعل کے ارتکاب سے ثوران فتنہ و فساد ہو۔ ہم کہتے ہیں جن مواضع میں مثل بازار و شارع عام وغیرھماگاؤ کشی کی قانوناً مما نعت ہے ، وہاں جو مسلمان گائے ذبح کرے گا البتہ اثارتِ فتنہ و فساد اُس کی طرف منسوب ہو سکتی ہے اور وہ قانوناً مجرم قرار پائے گا

اور اسکو ہماری شرع مطہرہ بھی روا نہیں رکھتی۔
اور اور جہاں قانونا ممانعت نہیں وہاں اگر ثوران فتنہ و فساد ہوگا تو لاجرم ہنود کی جانب سے ہوگا۔ اور جرم انہیں کا ہے کہ جہاں ذبح کرنے کی اجازت ہے وہاں بھی ذبح نہیں کرنے دیتے۔الخ ۔[21]

1298ھ-1880ء کے بعد میں اس مسئلہ کو پھر شد و مد سے اُٹھایا گیا تو علمائے حق کے بر وقت دفاع سے یہ مسئلہ دب گیا لیکن ہنود کی در پردہ کوشش جاری رہی یہاں تک کہ 1329ھ-1911ء میں انہوں نے ہندوستان سے گاؤ کشی کو بند کرانے کے لئے گورنمنٹ کو عرضداشت پیش کرنے کا منصوبہ بنایا اور کانگریسی ذہن کے مسلمان لیڈروں نے اُن کی اس عرض داشت پر دستخط کر دیئےتو اس کے ازالہ کے لیئے آل انڈیا مسلم لیگ کی بریلی شاخ کے جائنٹ سیکرٹری سید عبد الودود صاحب نے ایک استفتا ء مرتب کیا اور اسے علماء کرام کی خدمت میں اظہارحق کے لیئے بھیجا۔ یہاں بھی علمائے حق نے اس مسئلہ میں ہندوؤں کی اعانت کو ناجائز اور حرام قرار دیا ۔

سید سلیمان اشرف نے اس موضوع پر ایک رسالہ" الرشاد" کے نام سے لکھاجس میں گائے کے ذبح کرنے کے متعلق شرعی نقطہ نظر کو واضح کیا اور ہنود کی اس سازش کو ناکام بنایا اور نو جوانان مسلم کو جس طرح بقیہ تمام مسائل اور ہنود کی یلغار سے نجات دلائی یہاں بھی بزور قلم اس فتنہ سے ان کو محفوظ بنایا،انہوں نے فرمایا کہ ابتلاء ومصائب میں مسلمانوں کو اپنا رُخ اللہ تعالیٰ کی طرف موڑنا چاہئےاور مصائب میں صبر کی تلقین خود رسول اللہ ﷺ نے فرمائی اور مومن کی مثال کھجور سے اس وجہ سے دی کہ ہر وقت تروتازہ رہتا ہے اس پر خزاں اثر انداز نہیں ہوتی اس سے صبر و استقامت کی تلقین ہے۔انہوں نے ابتداء میں لکھا کہ ہنود نے خلافت کے معاملہ میں ہمارا ساتھ دیا ،بہت اچھی بات ہے جہاں تک اسلام ہمیں اجازت دیتا ہے ہم نے بھی ان کے ساتھ چلنے کی کوشش کی ،لیکن یہ کیسا اتحاد ہے کہ مسلمان مندروں میں جاکر نمازیں پڑھیں ،دعائیں مانگیں ،کیا بت خانے میں جاکر عبادت کا زیادہ ثواب ہے؟ستم بالائے ستم یہ کہ جبینِ توحید پر شرک کا قشقہ کھینچا گیا،ستیاگرہ کے دن مسلمانوں نے مہاتما گاندھی کے حکم سے روزہ رکھا یہ سارے مظالم مسلمانوں نے پاک مذہب اسلام پر اس لئے ڈھائے کہ ناراضگی رولٹ بل پر مسلمانوں کا متفق اللسان ہونا ثابت ہو جائے۔

انہوں نے فرمایا کہ مشرکین کو مساجد میں لاکر مساجد کی توہین کی ،یہ بھی خیال نہ کیا کہ نجس وناپاک کا مسجد میں جانا سخت ممنوع ہے ،بدایوں شہر میں ایک جلسہ ہوتا ہے جس میں ہندو یہ تحریک پیش کرتا ہے کہ امسال رام لیلامسلمانان بدایون منائیں گے اور محرم میں تعزیہ داری ہندو کریں گے،کسی مسلمان کو اس کی تردید کرنے کی توفیق نہیں ملتی،اسی پر بس نہیں ہولی کے موقع پر مسلمانوں نے ہندؤوں کا ساتھ

[21] ایضا،ص 222-223

Ibid ,P 222-223

دیا،غرض اس طرح کے خرافات کا ذکر کیا کہ ہر جگہ ایک نئی شان سے اہل ہنودپر مسلمان اپنا دین نچھاور کر رہے۔[22]

آگے قربانی کے حوالے سےمسلمانوں کو مزید جھنجھوڑتے ہوئے لکھتےہیں :

اب آخرمیں تمہیں اس غلطی سے متنبہ کرتا ہوں جس میں کمال بیباکی سے مسلم لیڈروں نے مسلمانوں کی آنکھوں میں خاک جھونکنے کی کوشش کی ہے اور قربانی جیسے اہم رکن مذہبی کو اہل ہنود کی محبت میں نہایت بیدردی سے قربان کر دیا گیا ہے عوام سے یہ کہا جاتا ہے کہ ہندو لیڈرجب مسئلہ خلافت میں ہمارا ساتھ دے رہے ہیں تو پھر بحیثیت ایک شریف قوم کے ہمیں بھی کچھ عملی ثبوت دینا ضرور ہے اور وہ نہیں ہے مگر گائے کی قربانی کا چھوڑنا، یہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ مسلم لیگ اور کانگریس میں سمجھوتا ہوتے ہی مسلمان اس پر آمادہ ہو گئے کہ رہا سہا مذہب ہنود پر سے تصدیق کر دیا جائے ۔

1916ءسے مسلمانوں کے فیاض ہاتھوں نے دین کا صدقہ شروع کیا اور ستیاگرہ کے موقعہ پر سب کچھ دے ڈالا یہ محض ابلہ فریبی کی باتیں ہیں جو یہ کہا جاتا ہے کہ مسئلہ خلافت میں ہنود کی ہمدردی ہمیں ترک قربانی گاو پر مجبور کرتی ہے واقعات سے مطابق کرد توحقیقت روشن ہو جائے گی۔[23]

خلافت کمیٹی کا پہلاجلسہ نومبر1919ء میں جو دہلی میں منعقد ہوا اس میں ان علماء کی تقریروں کو دیکھاجائے جن کی اس وقت لیڈری مسلم ہو چکی تھی ان کا بیان ہے کہ مہاتما گاندھی کی پہلی ہی ملاقات کا ان پر یہ اثر ہوا کہ قربانی گائے کی اس خاندان سے قوت ہو گئی جس سے علوم دینیہ کی نہریں کسی وقت نکال کراکثر حصص ہند کو سرسبز و شاداب کرتی تھیں جس خاندان کے اکابر نے یہ فتوی دیا تھا کہ جن شہروں میں گائے کی قربانی دی جاتی ہے اگر وہاں کے مسلمان باشندے بہ پاسِ خاطر ہنود یا خوفِ ہنود ترک قربانی گاؤ کریں گے تو وہ گنہگا ر ہونگے اور مسلمانوں پر گائے کی قربانی واجب ہے پھراس کے بعد دیکھیں کتنی تبدیلی آئی کہ مسلم لیگ کا خطبہ صدارت پڑھو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ترک قربانی گاؤ پر کتنا زور دیا گیا ،پہلے ترک قربانی کے لئے گوناگوں شکلوں میں مسلمانوں کو ترغیب نہیں دی جاتی تھی، اب نہ صرف ترغیب و تحریص ہے بلکہ سعی و کوشش ہے کہ کسی طرح مسلما ن یہ گائے کی قربانی ترک کردیں ۔

سید سلیمان اشرف علیہ الرحمہ لکھتے ہیں :

1919ءامرتسر مسلم لیگ کے صدر مجلس نے مسئلہ قربانی سے بحث کرتے ہوئے جو عنوان قائم کیا وہ موقع اور وقت کے لحاظ کافی تکلیف دہ ہے ،ہندؤوں سے مصالحت ہو رہی ہے اتحاد واتفاق کے آئین وضع کئے جارہے ہیں ایسے وقت میں قربانی کو گاو کشی سے تعبیر کرنا ہنود کی نفرت بڑھانا اور مسلمانوں کے عقیدہ میں قربانی کو تخفیف کر کے دکھاناہے،انصاف کیجئے کہ کجا قربانی اور کجا گاؤ کشی۔

صدر مجلس نے مسئلہ قربانی کے متعلق دوسری بے انصافی یہ کی ہے کہ اس کےمتعلق یہ فتویٰ دیا کہ قربانی سنت ہے، قید مؤکدہ بھی نہیں پڑھائی، حالانکہ مذہب حنفی میں قربانی واجب ہے مفتیٰ بہ مذہب یہی ہے ۔[24]

---

[22] سید محمد سلیمان اشرف،الرشاد،مکتبہ رضویہ لاہور،1981ء،ص 17
Sayed Muhammad Sulaiman Ashraf,Alrrashad,Maktaba Rizwia,Lahore,1981,P17

[23] ایضا،ص 23
Ibid P 23

[24] ایضا،ص 24
Ibid P 24

خلاصہ بحث:

سید سلیمان اشرف ایک محقق ،مدبر ،مقرر ،اورمدرس تھے ،بیک وقت انہوں منصب تدریس بھی اعلیٰ واحسن طریقے سے سر انجام دیا اور خطابت کے میدان میں بھی گوہر بیکراں ثابت ہوئے انہوں نے ایک طرف انگریزی یلغار کا بھی مقابلہ کیا تو دوسری طرف ہنود کی سازشوں کو بھی بے نقاب کیا تحریک خلافت ہو یا ترک موالات ہر محاظ پر اپنی تحریر اوتقریر کے ذریعے مسلمانوں کی بخوبی راہنمائی کی ،اس محاظ میں غیروں کی تیر سہنے کے ساتھ ساتھ اپنوں کے نشتر بھی سہنے پڑے ۔

لیکن انہوں نے کسی کی پرواہ کئے بغیر ہر قسم کے وار کا سینہ تان کر مقابلہ کیا ،چاہے وہ تعلیم پر حملے کی صورت میں ہو یا پھر تحریکوں کی صورت میں ،اور پھر تحریک کی آڑ میں ہندو کے مکر کو وقت کے بڑے بڑے علماء ،خطباء،مدبرین نہ سمجھ سکے لیکن سید سلیمان اشرف نے نہ صرف نشاندہی کی بلکہ میدان میں کود کر دیوانہ وار مقابلہ کیا ۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial-ShareAlike 4.0 International (CC BY-NC-SA 4.0)